© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اصلاحِ معاشرہ میں علماے کرام کا کردار

مسلم دنیا کی نامور سیاسی و علمی شخصیت، ڈاکٹر عبد اللہ عبد المحسن الترکی جو چند سال سے رابطہ عالم اسلامی کے سیکرٹری جنرل کے فرائض انجام دے رہے ہیں، ۲۲ نومبر ۲۰۱۵ء کو بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی کی دعوت پر اسلام آباد تشریف لائے۔ اس موقع پر اُنھوں نے بین المذہبی مکالمہ کے موضوع پر UNITE کی بین الاقوامی کانفرنس کے علاوہ اپنے اعزاز میں دیے گئے متعدد استقبالیوں میں شرکت کی، جبکہ اسلامی یونیورسٹی میں 'دہشت گردی اور فرقہ واریت کے خاتمے میں علماے کرام کا کردار' کے عنوان پر پاکستان بھر سے تشریف لانے والے علماء اور اہل علم و دانش کے نمائندہ اجتماع سے بھی خطاب کیا۔ فیصل مسجد سے ملحقہ شریعہ اکادمی کے سیمینار ہال میں منعقد ہونے والے اس مذاکرہ میں سینیٹر راجہ ظفر الحق، ترکی کے نائب وزیر مذہبی اُمور، مولانا سمیع الحق، پروفیسر ساجد میر، ڈاکٹر احمد یوسف دُرویش، شیخ محمد سعد دَوسری، محمد عبدہ عتین، مولانا یٰسین ظفر، صاحبزادہ ساجد الرحمٰن اور ڈاکٹر سہیل حسن سمیت یونیورسٹی اور جامعات کے فاضل اساتذہ کرام نے بھی خطاب کیا۔ اس موقع پر راقم الحروف کے مقالہ کا متن، بعض اضافہ جات کے ساتھ ذیل میں ہدیۂ قارئین ہے...

'اسلامی معاشرہ' ایک نظریاتی معاشرہ ہے جس میں بسنے والے مسلمان اسلامی عقائد اور مسلم نظامِ حیات کے تحت زندگی بسر کرتے ہیں۔ اسلامی معاشرہ انسانی حاکمیت کے بجائے اتباع واطاعتِ الٰہی پر مبنی ہوتا ہے۔ اور اس نظامِ اطاعت کی وضاحت علماے کرام کرتے ہیں، اور حکام و والیانِ امر اس نظام کی تنفیذ کرتے ہیں۔ قرآن و سنت کے بیان کردہ دائرہ کار میں ہی حکام کی اطاعت مشروع ہے، اگر وہ اللہ کے حکم کی نافرمانی کریں تو ان کی اطاعت کی ضرورت نہیں، گویا حکام کی اطاعت کی بنیاد بھی کتاب و سنت سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے آگ میں کود جانے کے حکم پر مشتمل مشہور واقعہ میں ارشاد فرمایا:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

«لَا طَاعَةَ فِي مَعْصِيَةٍ، إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ»[1]

”اللہ کی نافرمانی میں کوئی اطاعت نہیں، طاعت تو معروف معاملہ میں ہے۔“

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اطاعت ولی الامر والی آیت[2] کی تشریح میں فرماتے ہیں:

فإذا أمروا بمعصية الله فَلَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ فَإِنْ تَنَازَعُوا فِي شَيْءٍ رَدُّوهُ إِلَى كِتَابِ اللهِ وَسُنَّةِ رَسُولِهِ ﷺ، وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ وُلَاةُ الْأَمْرِ ذَٰلِكَ، أُطِيعُوا فِيمَا يأمرون به مِنْ طاعة الله ورسوله، لِأَنَّ ذَٰلِكَ مِنْ طَاعَةِ اللهِ وَرَسُولِهِ ﷺ، وَأُدِّيَتْ حقوقهم إليهم كما أمر الله ورسوله، قال تعالىٰ: ﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾[3]

”اگر حکام اللہ کی معصیت کا کوئی حکم دیں، تو خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں۔ اگر خالق و مخلوق میں کوئی اختلاف ہو جائے تو وہ اس اختلاف کا فیصلہ کتاب وسنت کی روشنی میں کریں گے۔ اگر حکام ایسا نہ کریں تو ان کی اسی امر میں اطاعت کی جائے جہاں وہ اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی اطاعت کا مطالبہ کریں کیونکہ یہ دراصل اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہی ہے۔ اور حکام کے حقوق ادا کئے جائیں گے، جیسا اللہ اور اس کے رسول نے حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے سے تعاون کرو، اور گناہ و سرکشی میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔“

اس لحاظ سے مسلم معاشرہ میں علمائے کرام کی اہمیت غیر معمولی ہے کیونکہ کتاب وسنت کا کسی معاملہ پر اطلاق اُن کی تشریح و رہنمائی کا ہی محتاج ہے۔ معاشروں کی صلاح و فلاح اور حکمرانوں کی اطاعت کے باب میں ان کی ہدایت و رہنمائی بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ شیخ الاسلام احمد بن عبد الحلیم ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وَأُولُوا الْأَمْرِ صِنْفَانِ: الْأُمَرَاءُ وَالْعُلَمَاءُ، وَهُمُ الَّذِينَ إِذَا صَلَحُوا صَلَحَ

---

1 صحیح بخاری: ۷۲۵۷

2 ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ سورة النساء: ۵۹

3 السیاسة الشرعیة فی الراعی والرعیة از شیخ ابن تیمیہ: ص ۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

النَّاسُ، فَعَلَى كُلٍّ مِنْهُمَا أن يتحرّى بما يَقُولُهُ وَيَفْعَلُهُ طَاعَةَ اللهِ وَرَسُولِهِ، وَاتِّبَاعَ كِتَابِ اللهِ. وَمَتَى أَمْكَنَ فِي الْحَوَادِثِ الْمُشْكِلَةِ مَعْرِفَةُ مَا دَلَّ عَلَيْهِ الْكِتَابُ وَالسُّنَّةُ كَانَ هُوَ الْوَاجِبَ[1]

"مسلم معاشرے کے اُولی الامر دو قسموں پر ہیں: حکام اور علما... جب ان دونوں کی اصلاح ہوگئی تو عوام کی بھی اصلاح ہو جائے گی۔ ان دونوں کو اپنے قول و کردار میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اور اتباع کی جستجو کرنا چاہیے۔ اور جب بھی مشکل مسائل میں کتاب و سنت کے دلائل کی معرفت ممکن ہو تو اُسی کو لینا ضروری ہے۔"

غرض مسلم معاشرے کی صلاح و فلاح، علما و اُمرا کی صلاح پر موقوف ہے۔ کیونکہ ایک نظریہ حکم واضح کرتے ہیں تو دوسرے اس کی تنفیذ کرتے ہیں۔ وہی مسلم معاشرے دین و دنیا میں کامیاب و کامران ہوتے ہیں جہاں اُمراء و علما ہم آہنگی کے ساتھ معاشرے کو درست سمت لے کر چلتے ہیں۔

منصبِ رُشد و ہدایت

اس بات کو ایک اور انداز سے بھی دیکھا جاسکتا ہے کہ اسلام میں منصبِ نبوت سب سے اہم اور برتر حیثیت رکھتا ہے، جس پر تمام اُمور کا ابلاغ اور تشریح و تشکیل موقوف ہے۔ نبی کریم ﷺ نے حیاتِ طیبہ میں تین بنیادی فرائض انجام دیے:

① رسالت: اللہ سے وحی کی صورت میں ہدایات لے کر بطورِ رسول بنی نوع انسانیت تک پہنچائیں۔

② اُسوۂ حسنہ: صرف ہدایات ہی نہ دیں، بلکہ ان پر عمل کر کے دکھایا، اور ایک مبارک اُسوۂ حسنہ دیا۔

③ تبلیغ: اور پھر اپنے قول و عمل اور زبان سے اس پیغام رسالت کو پھیلانے کی تمام تر مساعی بروئے کار لائے۔

نبی کریم ﷺ کی حیاتِ طیبہ اور پیغمبرانہ جدوجہد کو اِن تین دائروں میں مختصراً سمیٹا جاسکتا ہے۔ ایک عالم دین بھی انہی مقاصد کے لیے مصروفِ کار ہوتا ہے اور یہی اس کا مطمحِ حیات ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علمائے حق کو بزبانِ رسالت انبیائے کرام علیہم السلام کا وارث قرار دیا گیا ہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں ایک باب کا عنوان یوں قائم کیا گیا ہے:

[1] السياسة الشرعية في الراعي والرعية: ص ۱۲۷، فصل في المشورة

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

باب العِلْمُ قَبْلَ القَوْلِ وَالعَمَلِ لِقَوْلِ اللهِ تَعَالَى:﴿فَاعْلَمْ أَنَّهُ لاَ إِلَهَ إِلَّا اللهُ...﴾ فَبَدَأَ بِالعِلْمِ «وَأَنَّ العُلَمَاءَ هُمْ وَرَثَةُ الأَنْبِيَاءِ، وَرَّثُوا العِلْمَ، مَنْ أَخَذَهُ أَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ...»[1]

"باب کہ علم کا مقام، قول وکردار سے پہلے ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:"اے نبی! جان لیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اپنے گناہوں کی معافی مانگیں۔" سو اللہ تعالیٰ نے عمل (استغفار) سے قبل علم (توحید) کو بیان فرمایا۔ اور فرمان نبوی ہے: کہ علماء انبیاے کرام کے وارث ہیں، انبیا نے علم کی وراثت دی ہے۔ جس کو علم مل گیا، اسے بہترین نعمت میسر آگئی۔"

گویا کسی بھی مسئلے ومعاملے پر عمل درآمد سے قبل علم و نظریہ کو بیان کر کے نکھارا جاتا ہے اور اس کی روشنی میں عمل کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ قرآن بھی اپنے ماننے والوں سے عقل وبصیرت کا مطالبہ کرتا اور سوچے سمجھے بغیر مسلمانوں کو آیاتِ قرآن کی اتباع سے بھی روکتا[2] ہے۔ اس لحاظ سے علماے کرام انبیاورُسل کے وارث ہیں، جو کتاب وسنت کی تشریح کرتے ہیں، حالات پر ان کا اطلاق کرتے ہیں اور پھر حکام ووالیان ان تشریحات کی روشنی میں افراد و معاشروں کے لیے اپنی زندگیاں سنوارنے کا عملی نظام قائم کر دیتے ہیں۔

کسی بھی فرد واجتماع پر اُس کے مسلمہ عقائد و نظریات کی حکومت ہوتی ہے۔ بہت سے انسانوں سے ایک معاشرہ اور حکومت وملت تشکیل پاتی ہے۔ انسان جس نظریہ کا حامل ہوتا ہے، اپنے قول وکردار سے اسی پر مہر تصدیق ثبت کرتا ہے۔ اس عقیدہ و نظریہ کی سب سے مؤثر تشکیل کتاب وسنت کے ذریعے ہوتی ہے۔ اللہ کے قرآن اور نبی کے فرمان سے بڑھ کر کوئی ایسا مؤثر ذریعہ نہیں، جو کسی مسلمان کی ذہنی تشکیل میں کارگر ثابت ہو۔ قرآن وسنت سے متعلقہ ہدایت کی نشاندہی، ان کی تبلیغ اور حالات پر ان کا اطلاق علماے کرام ہی کرتے ہیں۔ اس ناطے علماے کرام کا کردار مسلم معاشرے میں غیر معمولی تقدس اور اہمیت رکھتا ہے، بالخصوص ان حالات میں وہ جب وہ اس پر خود خلوص دل سے عمل پیرا بھی ہوں تو ان کے قول وکردار کی تاثیر دوچند ہو جاتی ہے۔

---

۱ صحیح بخاری: کتاب العلم

۲ ﴿وَالَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوا عَلَيْهَا صُمًّا وَعُمْيَانًا﴾ سورۃ الفرقان:۷۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عمل سے قبل نظریہ کی اصلاح

نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے بت شکنی سے قبل، برسہا برس تک تبلیغ ودعوت میں صرف کیے۔ فتح مکہ کے موقع پر بتوں کو پاش پاش کرنے سے قبل بھی آپ کے پاس ہمیشہ ایسے جاں نثار موجود رہے جو اللہ کے گھر کو بتوں سے پاک کرسکتے تھے، لیکن جب تک نظریاتی وعلمی طور پر آپ نے بت پرستی کی گمراہانہ بنیادوں کو واضح رختم نہ کرلیا، اس وقت تک آپ نے بتوں کو ڈھانے سے گریز کیا۔ اس سے بھی علم ہوتا ہے کہ عمل واقدام سے پہلے ذہنی خلفشار کا خاتمہ اور علمی نکھار ضروری ہے۔

آپ ﷺ اپنے داعیوں کو دیگر علاقوں میں بھیجتے اور انہیں اقدام سے قبل دعوت کی تلقین کرتے، جیسا کہ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی مشہور احادیث میں ہے، سیدنا ابن عباس سے مروی ہے:

أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ لَمَّا بَعَثَ مُعَاذًا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَلَى اليَمَنِ، قَالَ: «إِنَّكَ تَقْدَمُ عَلَى قَوْمٍ أَهْلِ كِتَابٍ، فَلْيَكُنْ أَوَّلَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ عِبَادَةُ اللهِ، فَإِذَا عَرَفُوا اللهَ، فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّ اللهَ قَدْ فَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِي يَوْمِهِمْ وَلَيْلَتِهِمْ...»[1]

"جب نبی کریم ﷺ نے سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف (عامل بنا کر) بھیجا تو تلقین فرمائی: تو اہل کتاب میں سے ایک قوم کی طرف جا رہا ہے۔ سب سے پہلے تجھے چاہئے کہ اُنہیں اللہ کی بندگی کی دعوت دے، جب وہ اللہ کو پہچان لیں تو انہیں بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے اُن پر ان کے دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں..."

مذکورہ بالا نکات سے مسلم معاشرے میں دینی قیادت کا کردار بالکل اظہر من الشمس ہوجاتا ہے اور اُن کی اہمیت دوچند ہوجاتی ہے۔ بالفرض کوئی تبدیلی یا اقدام کسی وقتی دباؤ یا سختی کے نتیجے میں نافذ کر بھی دیا جائے لیکن ذہنوں میں اس کی اہمیت اور نوعیت راسخ نہ ہو تو کچھ ہی عرصے میں اس دباؤ کے ختم ہوتے ہی حالات دوبارہ پرانی ڈگر پر واپس لوٹ آتے ہیں اور مسلم معاشرہ باہمی خلفشار کا شکار رہتا ہے۔ اس لحاظ سے مسلم معاشرہ جبر و تحکم کی بجائے ارشاد واتباعِ الٰہی کا رجحان رکھتا ہے۔

1 صحیح بخاری: ۱۴۵۸، کتاب الزکاۃ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دہشت گردی اور فرقہ واریت کے خاتمے میں علما کا کردار

دہشت گردی ایک ناسور ہے اور فرقہ واریت مسلم معاشروں کی طاقت کو کھوکھلا کیے دے رہی ہے۔ یہ دونوں مسئلے، فی زمانہ ملتِ اسلامیہ کے اہم ترین مسائل ہیں۔ ایک کے نتیجے میں امن وامان جیسی عظیم الشان نعمت سے محرومی اور دوسری کے نتیجے میں اتحاد جیسی ملی قوت کا خاتمہ سامنے آرہا ہے۔ ان دونوں مسائل کا تعلق اور ان کی بنیادیں، کسی اور نہیں بلکہ خالص مذہبی نظریات میں ہی پیوست ہیں۔ ان دونوں مسائل کا استدلال بھی خالص مذہبی نوعیت کا ہے اور اُن سے زیادہ متاثر ہونے والا بھی مذہبی طبقہ ہی ہے، اور اس سلسلے میں پائے جانے والے افراط وتفریط کو کتاب وسنت کی روشنی میں ہی واضح کیا جاسکتا ہے۔ جب تک ان مسائل کی مذہبی حیثیت ونوعیت کو واضح نہیں کیا جاتا، دینی پلیٹ فارم سے اُن کے بارے میں واضح اور دوٹوک رہنمائی نہیں کی جاتی، اس وقت تک محض حکومتی اقدامات اور جبر ودباؤ سے اُن پر دائمی قابو نہیں پایا جاسکتا۔

مذہبی قیادت کی مختلف صورتیں ہیں: مفتیان وقاضیان، ائمہ وخطبا، واعظین وداعیان، علما، مدرّسین علوم اسلامیہ، منتظمین مراکز ومدارسِ دینیہ، قائدین وذمہ دارانِ تحریکاتِ اسلامیہ، اہل علم وقلم، اہل فکر ودانش، سرکاری جامعات میں علوم اسلامیہ کے اساتذہ وپروفیسرز، تحقیقی اور اشاعتی وابلاغی اداروں کے ذمّہ داران اور قائدین، مذہبی سیاسی جماعتوں کے قائدین اور ذمّہ داران وغیرہ[1]...

اور ان میں اکثر کے پاس ابلاغ کی مؤثر ترین صورت مسجد کا مقدس منبر اور خطباتِ جمعہ ہیں، جن میں ہمہ تن گوش ہوکر شریک ہونا ہر مسلمان کا شرعی فریضہ ہے۔ اس سٹیج پر پورے تقدس وانہماک سے ہر مسلمان سر جھکا کر، دین کا پیغام سنتا ہے۔ اتنا بڑا سٹیج اور ایسا مقدس پلیٹ فارم کسی بڑے سے بڑے حکمران کو بھی میسر نہیں۔ یہ مالک الملوک اور خالق کائنات کے گھر میں، خالق کی پیش کردہ رہنمائی کا نظام ہے۔ ان خطبا کے استدلال کا محور اللہ کا قرآن اور نبی کریم ﷺ کا فرمان ہوتا ہے جو اہم ومقدس ترین استدلال ہے۔

دینی قیادت اس سلسلے میں درج ذیل پہلوؤں سے اپنا کردار ادا کر سکتی ہے:

---

1 امام غزالی نے اہل سیاست کی چار قسمیں اور درجہ بندی کی ہے: سیاستِ وعاظ، سیاستِ علما وفقہا، سیاستِ خلفا وملوک، سیاستِ انبیاء ورسل (احیاء العلوم: کتاب العلم، باب اوّل، ج ۱ ص ۹)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

① **شرعی تعلیمات کی وضاحت اور علمی نکھار کے ذریعے**... دہشت گردی کا مفہوم کیا ہے؟ اس کا مصداق کیا ہے اور کیا نہیں؟ شریعت میں دہشت گردی کی مذمت کس کس طرح کی گئی ہے، اور فسادفی الارض کی بدترین سزا[1] کیا بتلائی گئی ہے؟ علماے کرام اپنے شرعی موقف کو کتاب وسنت کے دلائل، عقلی و منطقی استدلال، تاریخی مثالوں اور عبرت آموز واقعات سے مزین کرکے مختلف اسالیب ووسائل سے معاشرے میں پھیلا سکتے ہیں۔ مثلاً

1. خطاباتِ جمعہ کے ذریعے
2. دعوتی دروس وخطابات کے ذریعے
3. تعلیم و تعلم اور اپنے طلبہ کے فکری نکھار اور علمی رسوخ کے ذریعے
4. ٹی وی مذاکروں، مباحثوں اور خطابات کے ذریعے
5. اخبارات میں مضامین واشتہارات اور خبروں وسیمینارز کے ذریعے
6. مختصر تحریروں، کتابچوں، پمفلٹوں، کارڈز، ہینڈبلوں کی تیاری اور عوامی مقامات پر اُن کی تقسیم، اشتہارات، بل بورڈز، وال ہینگنگز، بینروں وغیرہ کی صورت میں

② علماے حق کا ہر مسلمان کے ہاں خاص احترام پایا جاتا ہے۔ بالخصوص دینی دلائل کی بنا پر گمراہی کا شکار ہونے والے دراصل حق اور صلاح کے جویا ہوتے ہیں، اپنی کم علمی اور وافر دینی جذبہ کے سبب غلط اور انتہا پسندانہ موقف کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اگر ان سے ملاقاتوں اور تبادلہ خیال میں علما کو آگے بڑھایا جائے تو اس سے ان کے علم واحترام کی بنا پر حالات میں بہت سی اصلاح ہونے کا امکان بڑھ جاتا ہے۔

③ علماے کرام اس موضوع پر پائے جانے والے ابہام اور اعتراضات کا شرعی دلائل سے خاتمہ کرکے اور درست واقعاتی صورتِ حال کو جان کر، اور اس کو مثبت انداز میں پھیلا کر بھی ذہنی خلفشار کا خاتمہ کرسکتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے حکومت راست فکر اور ممتاز علما کو متحد کرکے، ان کے زیر اثر حلقوں میں اُن کے پیغام کو پھیلا سکتی ہے، جس کے لیے ان کے براہِ راست خطابات اور

---

1 سود ایسا بدتر گناہ ہے جس کے ارتکاب کو اللہ نے اپنے سے جنگ قرار دیا ہے اور دوسرا گناہ حرابہ یعنی فساد فی الارض بھی اتنا سنگین ہے جو اللہ ورسول سے جنگ کے مترادف قرار دیا گیا۔ اس کی سزا بھی بڑی سنگین ہے۔ دیکھئے سورۃ المائدۃ:۳۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان کی تحریریں مؤثر کردار ادا کر سکتی ہیں۔

④ مساجد کے خطبات و دروس، مدارس و وفاقات کے نصابات، سکول و کالج اور جامعات کے نصابات، جلسہ جات و سیمینار کے موضوعات، مباحثوں مذاکروں کے موضوعات میں دہشت گردی اور فرقہ واریت کی تردید اور متوازن و معتدل رہنمائی کو مختلف اسالیب میں متعارف کرایا جائے۔

⑤ سلیم الفکر علما کے ساتھ، معروف اور مؤثر میڈیا پرسنز کی میٹنگیں کرائی جائیں اور متفقہ نکات پر مشتمل ٹی وی پروگرام کرائے جائیں، جس میں دلچسپی اور تاثیر کے لئے بطورِ خاص منصوبہ بندی اور تیاری کی جائے۔

نوٹ: عالم دین کی قدر و منزلت، اس کے قول و کردار کی راستی سے مشروط ہوتی ہے۔ اگر کسی عالم یا تنظیم کے بارے میں یہ شبہ پیدا ہو جائے کہ وہ حکام واُمرا کی خوشامد اور تائید کے لیے قرآن وسنت سے استدلال کرتا ہے، یا اس کا اپنا کردار اس کے موقف کی تصدیق و تائید نہیں کرتا، تو اہل اسلام ایسے علمائے سوء سے متنفر ہو جاتے اور ایسی صورت حال میں عوام کی ذہن سازی کی بجائے، مزید انتشار جنم لیتا ہے۔ اس لیے اس امر کی بطور خاص ضرورت ہے کہ مخلص اور راسخ علما کو صورتِ واقعہ میں پوری طرح شریک کیا جائے، اور ان کی رائے کو وزن دیا جائے اور نفس مسئلہ میں ان کو اس حل پر آمادہ کیا جائے، ان پر جبر یا ترغیبات کے نتیجے میں حاصل ہونے والا موقف عوامی تاثیر سے محروم ہوتا ہے۔ جب اور جس وقت، جس مسئلہ میں علما اور حکام کی رائے متفق ہو گئی اور علمانے خلوص سے شرعی دلائل و مصالح کو پیش نظر رکھتے ہوئے خالص رہنمائی کی تو اس سے صورتِ حال میں لازماً بہتری پیدا ہو جائے گی۔

⑥ علما کے مختلف رجحانات میں بعض اوقات عام مسلمان اُلجھ کر رہ جاتا ہے۔ اکثر اوقات علما کے مختلف رجحانات حقیقی ہونے کے بجائے، بعض حقائق سے لاعلمی یا معلومات کی کمی بیشی کی بنا پر ہوتے ہیں۔ اگر مخلص و متدین علمائے کرام کو باہم مل بیٹھنے اور دلائل کے ساتھ اپنا موقف بیان کرنے اور سمجھنے سمجھانے کا موقع دیا جائے تو اس سے بہت سا ظاہری اختلاف پہلے ہی ختم ہو جاتا ہے۔ اس بنا پر علما کو باہم مل بیٹھنے اور سمجھنے سمجھانے کا مستقل سلسلہ جاری رہنا چاہیے اور عوام الناس کو علما کی طرف سے ایک مشترکہ پیغام ہی جاری ہونا چاہیے۔ اس مقصد کے لیے اسلامی نظریاتی کونسل کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طرح علما کا ایک عوامی پلیٹ فارم بھی ہونا چاہیے جو عوام کو رہنمائی دیں اور ان کی آرا کو عوام و حکومت ہر دو کو وزن دینا چاہیے۔

⑦ پاکستان میں مختلف فقہی مکاتبِ ہائے فکر پائے جاتے ہیں۔ ان مکاتبِ فکر کے فقہی کے ساتھ ساتھ فکری وسیاسی رجحانات اور تشخص بھی جدا گانہ ہیں۔ یہ تشخص اس قدر پختہ ہیں کہ حکومت کے لیے اُن سب کو ساتھ لے کر چلنا ضروری ہو جاتا ہے۔ ان مکاتب فکر کے فقہی امتیازات میں کمی لانے کے ساتھ ساتھ حکومت کو چاہیے کہ قرآن وسنت کی بنا پر باہمی اتفاق واتحاد کو پروان چڑھانے کی کوشش کی جائے۔ کیونکہ یہی وہ واحد بنیاد ہے، جس پر اللہ کی رسی ہونے کے ناطے سب کا اتفاق اور آخر کار ملت کا اتحاد ممکن ہے۔

⑧ جس طرح دینی وفکری بنیادوں پر فرقہ واریت حرام ہے۔ تمام مسلمانوں کو ایک ہی اسلامی اکائی اور اخوت پر مشتمل ہونا چاہیے، اسی طرح حکام کی سیاسی بنیادوں: رنگ ونسل، زبان وقوم، علاقہ ووطن کی بنا پر فرقہ واریت بھی ایک مذموم امر ہے۔ اگر مختلف حکام اپنی رعایا کو علیحدہ علیحدہ وطنیت یا تشخص کے نام پر علیحدہ کرنا چاہیں تو یہ بھی شرعاً ایک قابل مذمت امر ہے۔ مذہبی فرقہ واریت کی طرح نسلی، لسانی، علاقائی، وطنی اور سیاسی فرقہ واریت بھی ناجائز اور قابل مذمت ہے۔ اسلامی اخوت ایک بالاتر نظریہ ہے، جس کی رو سے نبی کریم ﷺ کا ہر اُمتی، اسلامی اخوت میں پرویا ہوا اور ایک جیسے حقوق رکھتا ہے۔ اور اسی بات کی نبی کریم ﷺ نے ملت اسلامیہ کو خطبہ حجۃ الوداع میں تلقین فرمائی ہے۔

شرعی تعلیم وتبلیغ کی ذمہ داری سے حکومتی گریز

جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ مسلم معاشرہ حاکمیتِ الٰہیہ پر استوار ہوتا ہے اور اس حاکمیتِ الٰہیہ کا موجودہ حالات پر انطباق اور اس میں شریعت کے مقصود ومنشا کی نشاندہی علمائے کرام کی ذمہ داری اور اُن کے علم وفضل کی مرہونِ منت ہے۔ دیگر معاشروں کی بہ نسبت اپنی بنیادی ساخت میں اس اہم ترین عنصر کی بدولت مسلم معاشروں میں دین اور اس کے ماہرین کا کردار بہت کثیر الجہت ہوتا ہے۔ دین کی اس غیر معمولی اہمیت کا اندازہ لگانا ہو تو غور کیجئے کہ ہمارے ملک، قوم، اور فرد کے تشخص میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دین ہی بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ پاکستان کے نام میں اسلامی کا سابقہ، ہمارے شہروں کے ناموں میں اسلامی مناسبتیں اور افراد کے نام اور تشخص میں اسلامی حوالے بتاتے ہیں کہ ہر مقام پر دین کا کردار بنیادی ہے۔ گویا دین کسی قوم وفرد کی دنیا وآخرت میں اہم ترین شناخت ہے!!

دین بیزاری کے اس دور میں بہت سی کوششیں کی گئیں کہ دین کے حوالے کو اضافی قرار دے دیا جائے لیکن آج بھی یہ مسلم معاشروں اور مسلم ممالک کا یہ بنیادی تقاضا ہے۔ اسلامی ممالک کے دساتیر اس کو اوّلین حیثیت دیتے ہیں اور کم از کم زبانی رتحریری حد تک اس کے اتباع اور فروغ کا دم بھرتے ہیں۔ مزید بر آں دینی اعتقادات کی اہمیت کو آج بھی دنیا کے ہر فورم پر بنیادی تعارف حاصل ہے۔ ڈالر کے نوٹ پر 'اللہ پر اعتماد کا دعویٰ' ہو یا امریکی صدر کا اپنے عہدے کے حلف نامہ، مذہب کے حوالے کے بغیر کہیں بات نہیں بنتی۔ اس لیے دین کے معاشرتی کردار سے کسی طور انکار نہیں کیا جاسکتا۔

ایک اسلامی ریاست ہونے کے ناطے بھی پاکستانی حکومت کی یہ بنیادی ذمہ داری ہے کہ اپنے شہریوں کے دینی حقوق کی پاسداری کرے، اُن کو ان کے دین کے بارے مستند تعلیم دے۔ ان کے مذہبی اداروں اور مساجد ومدارس کو قائم کرے، ان کا قبلہ خالص اسلام پر جاری وساری کرے اور اپنے باشندوں کے دینی فرائض سے بخوبی عہدہ براہو۔ کیونکہ ایک اسلامی ریاست کا معاصر مغربی ریاست سے یہی بنیادی امتیاز ہے۔

افسوس کہ اہل مغرب سے مختلف علوم وفنون سیکھتے سیکھتے ہم اپنے اسلامی اعتقادات ونظریات سے بھی محروم ہوگئے اور پاکستانی حکومت، اُتنے ہی دینی فرائض انجام دینے پر قانع ہوگئی جتنا کوئی یورپی سیکولر ریاست اپنے عوام کے دینی فرائض کی پاسبان ہوتی ہے۔ جس طرح کسی مغربی ریاست کو اپنے بسنے والوں کی دینی تعلیم، عبادت گاہوں، اور دینی رہنمائی سے کوئی غرض نہیں ہوتی، یہی صورتِ حال پاکستانی حکومت کی بھی ہے۔ البتہ رسمی طور پر چند برائے نام اور روح سے عاری اقدامات کی خال خال کوششیں نظر آتی ہیں۔

اسلامی ریاست کا یہ بنیادی فریضہ ہے کہ ایک نظریاتی ریاست ہونے کے ناطے وہ اپنے شہریوں کے جان ومال کے ساتھ ان کے دین وایمان کی بھی محافظ اور معاون بنے۔ یہی بات قرآن کریم، احادیثِ نبویہ اور ائمہ اسلام کے فرامین سے ہمیں معلوم ہوتی ہے۔ قرآن کریم نے اہل ایمان کو زمین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر جب اقتدار دینے کی بات کی تو فرمایا:

﴿ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَ لِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴾[1]

”اُنہیں اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، معروف کا حکم دیں گے اور منکر سے منع کریں گے اور تمام معاملات کا انجامِ کار اللہ کے ہاتھ میں ہے۔“

سورۃ النور کی آیت نمبر ۵۵ میں اسلامی ریاست میں اللہ کی بندگی کا فروغ اور شرک و بدعات کے خاتمہ کو حکومتی ذمہ داری قرار دیا گیا ہے۔

شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اسلامی حکومت کے فرائض بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

هي الرياسة العامة في التصدي لإقامة الدين بإحياء العلوم الدينية وإقامة أركان الاسلام والقيام بالجهاد وما يتعلق به من ترتيب الجيوش والفرض للمقاتلة وإعطاءهم من الفيء والقيام بالقضاء وإقامة الحدود ورفع المظالم والأمر بالمعروف والنهي عن المنكر نيابةً عن النبي ﷺ[2]

”ایسی عمومی حکومت جو نبی مکرم کی نیابت میں نفاذِ دین کے فرض کو پورا کرتی ہے کہ وہ دینی علوم کا احیا کرے، ارکانِ اسلام (توحید و رسالت، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج) کو قائم کرے، جہاد کو جاری کرے، متعلقہ لشکروں کی تنظیم کرے، وجوبِ جہاد کا اعلان اور مجاہدین میں مالِ فے و غنیمت تقسیم کرے، شرعی نظامِ عدل کو قائم کرے، حدود کا نفاذ کرے، مظالم کی بیخ کنی کرے، اور معاشرے میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو جاری کرے۔“

مذکورہ بالا اُمور کی مختصر نشاندہی سے پتہ چلتا ہے کہ اسلامی حکومت کے فرائض مغربی ریاست سے کہیں زیادہ ہیں۔ اس کا بنیادی مقصد مسلمانوں کو زندگی کے ہر پہلو میں اللہ تعالیٰ کی بندگی کروانا اور اس کے اسباب و وسائل میسر کر کے دینا ہے، اور اسی عظیم مقصد کی تکمیل کے لیے ہی اس کی اطاعت ضروری ہوتی ہے تاکہ وہ مسلمانوں کی نگرانی کر کے اُنہیں دین و دنیا کی سعادت سے بہرہ مند کر سکے۔

آج ہم بے شمار قومی مسائل کا اس لیے شکار ہیں کہ ہم نے دین کو، جو مسلم فرد و معاشرہ کی عظیم

---

۱ سورۃ الحج: ۴۱

۲ ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء از شاہ ولی اللہ دہلوی: ۱/ ۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ترین قوت ہے، حبِ رسول اور اتباعِ رسالت کو جو ہر فردِ مسلم کی اوّلین زینت اور ایمانی تقاضا ہے، انسان کا ذاتی مسئلہ بنا کر رکھ دیا اور اس کی ذمّہ داری سے غافل ہوگئے۔ لوگوں کی دینی رہنمائی کو اتنا غیر اہم سمجھ لیا گیا کہ جو جس کے جی میں آئے، اسلام کے نام پر لوگوں کے ذہنوں میں اُنڈیلتا رہے، چنانچہ لوگوں نے مسلمانوں کے جذبۂ ایمانی کا استحصال کرنا شروع کر دیا۔ حکومت کا اپنی اس ذمہ داری سے انحراف کا نتیجہ یہ نکلا کہ پاکستانی معاشرہ دین کے نام پر گوناگوں اور منتشر خیالات وافکار کی آماجگاہ بن گیا ہے۔ مفاد پرستوں نے اپنے اپنے مفاد کے لیے ایک دین کو کئی ایک فرقوں میں بانٹ کر اپنے اپنے پیروکار جمع اور مفادات منظّم کرلیے۔ اسلام کے نام پر اتنے منتشر و متفرق پہلو لوگوں کو بتائے اور سکھائے گئے کہ ایک ملت کا تصور خواب ہو کر رہ گیا۔

پاکستانی معاشرہ کے ایک اسلامی معاشرہ ہونے کے ناطے یہاں دین کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا، اسلامی معاشرے میں دینی مسندات اور منبر ومحراب کو تقدس کو ختم کرنا ایک گناہِ عظیم کے مترادف ہے، لیکن اتنی بڑی مؤثر نظریاتی قوت کے کسی قبلہ اور مرکز و محور کا تعین ہی نہ کرنا اور اس کی ذمہ داری سے بالکل غافل ہو جانا ایک سنگین ملّی مسئلہ ہے۔ ہم نظریاتی اور فکری انتشار کا اس وقت تک خاتمہ نہیں کرسکتے، ان مسائل سے اس وقت تک عہدہ برا نہیں ہوسکتے، جب تک اس کی ایک سنجیدہ ذمہ داری حکومتِ وقت اپنے سر نہ لے۔ اس مسئلہ کا یہ حل نہیں کہ مذہب کے نام پر ہر خیال کی مذمت کرکے، مغربی تہذیب کو پروان چڑھا دیا جائے۔ اسلامی معاشروں میں ایسا ہونا ناممکن ہے، کیونکہ دنیا بھر کے مسلمان رسولِ کریم ﷺ سے قلبی تعلق کو آخر کار نہیں چھوڑ سکتے۔ اس کا حل یہی ہے کہ مسلم حکومت اپنے باشندوں کی دینی وفکری ذمہ داری کو قبول کرے اور عوام کی اصلاح وارشاد کا ایک منضبط و منظم اور جامع پروگرام تشکیل دے۔

اوّل تو حکومتیں دینی ذمّہ داری سے ہی غافل ہیں اور اگر کبھی کسی کو اس شرعی ذمہ داری کا خیال آ ہی جائے تو مختلف فرقہ وارانہ رجحانات اور تنظیمیں اپنے اپنے معتقدات و نظریات کو سرکاری پلیٹ فارم سے فروغ دینے کے لیے پیش کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں واضح رہنا چاہیے کہ پاکستان ایک اسلامی ملک ہے اور یہاں اسلامی حکومت کے فرائض بیان ہو رہے ہیں، اس لیے حکومت کو سرکاری طور پر اسے ہی نافذ اور جاری کرنا چاہیے جو کسی مزید حوالے کے بغیر صرف اور صرف اسلام ہو۔ اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صرف اسلام کے سلسلے میں قرآن کریم یہ واضح ہدایت دیتا ہے کہ "جب بھی تمہارا اختلاف ہو تو اسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو۔"[1] اور نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان بھی صریح موجود ہے کہ "میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں: قرآنِ کریم اور میری سنت جب تک ان کو تھامے رکھو گے، گمراہ نہ ہوگے۔"[2] چنانچہ قرآن کریم اور سنتِ رسول کو ہی اُصولی طور پر نافذ کرنے کی کوشش ہونی چاہیے اور انہی دو اساسات پر ملتِ اسلامیہ کا حقیقی اتحاد ہو سکتا ہے۔ اگر حکومت اسلام کے کسی مخصوص برانڈ کو نافذ کرنے کی جدوجہد کرے گی تو اوّل تو وہ اسلام کا کلی مصداق نہ ہو گا اور اس پر کبھی اختلاف کا خاتمہ بھی نہ ہو سکے گا۔ نتیجۃً جس قومی انتشار کی بات کی جا رہی ہے، اس کا خاتمہ ایک خواب بن کر رہ جائے گا۔

اسلام میں پاپائیت یا تھیا کریسی کا کوئی تصور نہیں، یعنی مذہب کے نام پر بعض انسانوں کا اپنے جیسے انسانوں پر حاکم بن بیٹھنا اور اللہ کی منشا و مرضی کے نام پر، لوگوں پر اپنی حکومت چلانا۔ اسلام کا دامن ان علتوں سے پاک ہے۔ اللہ کی منشا و مرضی معلوم کرنے کا واضح طریقہ ہمارے پاس قرآن کریم اور سنتِ رسول ﷺ ہے۔ چنانچہ انہی دونوں کا حقیقی نفاذ ہی اسلام کا تقاضا ہے، وگرنہ اسلام کے نام پر بعض فقہاے عظام کی تشریحات کو شریعت قرار دے کر نافذ کر دینا، پاپائیت کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتا ہے۔ قرآن و سنت کی تشریح ایک علمی اہلیت کی متقاضی ہے جس کے اہل علمائے کرام ہی ہیں، لیکن اس اہلیت کے نام پر اُنہیں قرآن و سنت کو ہی نافذ کرنا چاہیے نہ کہ اپنی ذاتی آرا کو۔ اس لیے حکومتوں کو ایسے انفرادی رجحانات کے نفاذ سے بچنا چاہیے۔

الغرض اصلاحِ معاشرہ میں دین کا کردار غیر معمولی حیثیت رکھتا ہے، اور اس سے صرفِ نظر کرنا ممکن نہیں، تاہم حکومتِ وقت کو اپنے شہریوں کی دینی ضروریات کی ذمہ داری بھی قبول کرنا چاہیے اور اس سلسلے میں خالص کتاب و سنت کو فروغ دینے کی مساعی کرنا چاہئیں، کسی مخصوص فرقے یا نظریے کو پروان چڑھانے سے قومی اتفاق و اتحاد کو مزید نقصان پہنچے گا۔

(ڈاکٹر حافظ حسن مدنی)

---

۱ ﴿وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ﴾ (الشوریٰ:۱۰) اور
﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ (النساء:۵۹)

۲ «تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا: كِتَابَ اللهِ وَسُنَّةَ نَبِيِّهِ» (صحیح الجامع:۲۹۳۷)

© rasailojaraid.com